قسط ۲

ڈاکٹر احمد خان صاحب۔ ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد

اسلام اور مستشرقین

اعظم گڑھ میں سیمینار کی روئداد

وہ یہ ہے کہ جب سید سلیمان ندوی کو ندوۃ العلماء میں ۱۹۵۳ء میں دوبارہ جانے کا اتفاق ہوا تو انہوں نے ندوہ میں داخلے کے وقت یہ شعر پڑھا تھا ؎

میں اپنے گھر میں آیا ہوں مگر انداز تو دیکھو   میں اپنے آپ کو مانند مہماں لے کے آیا ہوں

بعینہٖ یہ شعر ان کے فرزند ارجمند ڈاکٹر سید سلمان نے اس موقع پر اپنے تاثرات شروع کرنے سے پہلے پڑھا۔ اور کہا کہ مجھے کچھ نہیں سوجھتا کہ بات کہاں سے شروع کروں اور کہاں لے جاؤں۔ اس جگہ (اعظم گڑھ) میرا بچپن، لڑکپن اور غرضیکہ جوانی تک کے ایام گذرے ہیں۔ اس متصل باغ میں کھیل کر جوان ہوا۔ مگر اسے دیکھنے کی نوبت نہ آئی۔ تا آں کہ آج تقریباً پچیس تیس سال کے بعد یہاں آیا ہوں۔

افتتاحی اجلاس کے بعد ساڑھے تین بجے کے قریب مہمانانِ گرامی نے شبلی نیشنل کالج کا معائنہ کیا اور چار بجے شبلی اکیڈمی کی طرف سے دار المصنفین کے خوبصورت گراسی لان میں عصرانہ دیا گیا۔ جس کے دوران سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب نے مجھے یاد فرمایا اور کتب خانے میں لے گئے جو ابھی عام لوگوں کے لئے بند پڑا تھا۔ فرمانے لگے کہ یہ مخطوطات کی نمائش خاص طور پر آپ حضرات کے دیکھنے کے قابل ہے۔ اس لئے آپ اسے ذرا تسلی سے دیکھ لیں۔ بعد میں بھیڑ کے اندر اس قدر دیکھنے کا موقعہ نہ ملے گا۔ سینکڑوں نادر مخطوطات کا یہ مجموعہ اس پورے علاقے کی علمی و ثقافتی زندگی کی بھرپور عکاسی کر رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مخطوطات دیکھنے کا یہ انداز کہ اوپر سے ٹائیٹل پڑھ لئے اور بس یہ انداز عام نمائش بینوں کو تو اچھا لگتا ہوگا مگر مخطوطات کے شائقین اور محبین کے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ وہ تو ان خطی نسخوں کو بغور دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ تاہم اس عجلت میں دار المصنفین کے سارے بیش بہا ذخیرے پر نظر ڈالی اور باہر نکلے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یوں پیاس بجھی نہیں۔ بلکہ اور بھڑکی۔ اس شام نمائش کا باقاعدہ افتتاح ہوا۔ جسے سینکڑوں لوگوں نے بڑے انہماک سے دیکھا

شام کو سات بجے سیمینار کا پہلا اجلاس کانووکیشن ہال میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت قطر کے معروف عالم یوسف القرضاوی کر رہے تھے۔ اور ان کا ساتھ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی دے رہے تھے جب کہ اس جلسے کو جناب محمد رابع ندوی صاحب کنڈکٹ کر رہے تھے۔ مندرجہ ذیل مقالات اس اجلاس میں پڑھے گئے۔

۱۔ ڈاکٹر محمد محمود الطنطاوی ۔ انتشر الاسلام بالسلم لا بالسیف (عربی) صدر شعبہ شریعت وقانون ابوظہبی

۲۔ سید امیر حسن عابدی (دہلی) ڈاکٹر براون اور اسلام

۳۔ پروفیسر خلیق نظامی (علی گڑھ) مستشرقین کے افکار کے مختلف ادوار

۴۔ پروفیسر سعید احمد اکبرآبادی (دہلی) گولڈ زیہر اور اسلام

ان مقالات کا اردو ترجمہ جناب سلطان حسن ندوی کر رہے تھے۔ اور اپنے یہ فرائض اس خوبی سے نباہ رہے تھے کہ ان کی زبان دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتی ہے۔ آخر میں صدر جلسہ نے اپنے قیمتی تاثرات سے سامعین کو نوازا۔ اور تقریباً ۹ بجے یہ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

دوسرے دن صبح اس آواز نے ہمیں چونکا دیا کہ "مولانا آپ کتنے ہی بڑے مولانا بن جائیں تو جونیئر ہی ہیں" یہ الفاظ مولانا عبدالقدوس ہاشمی کے تھے جو مولانا ابوالحسن علی ندوی کو مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے جنہوں نے ازراہ لطف مولانا ہاشمی کو ان کے خیمے میں ہی ملنا پسند کیا۔ وہیں ہمیں معلوم ہوا ندوۃ العلماء میں یہ دستور ہے کہ سینئر طلباء کی عزت وتوقیر اس طرح کی جاتی ہے جس طرح ایک استاد یا بڑے بھائی کی۔ چنانچہ غالباً اس دستور کے مطابق مولانا علی میاں جو سید عبدالقدوس ہاشمی سے ندوہ میں تعلیم کے دوران جونیئر تھے۔ خود ملنے تشریف لائے۔ ایک آدھ گھنٹہ یہ مجلس بپا رہی جس میں ندوہ کی قدیم باتیں، وہاں کے پرانے اساتذہ کی علمی بحثیں، اتنے لمبے عرصے کے مختلف ادوار۔ غرضیکہ ندوہ کی مناسبت سے بہت سے امور دونوں اساطین علم کے مابین زیر بحث رہے۔

۲۲ تاریخ صبح ۹ بجے دوسرا اجلاس شروع ہوا جس کی صدارت مفتی عتیق الرحمن فرما رہے تھے جب کہ علی میاں ان کے ساتھ معاون کی حیثیت سے تشریف فرما تھے۔ اس جلسے کو کنڈکٹ کرنے کے فرائض مرحوم سید سلیمان ندوی کے ہونہار فرزند اور اس دارالمصنفین کے بے نظیر سپوت ڈاکٹر سید سلیمان ندوی فرما رہے تھے۔

اس نشست میں مندرجہ ذیل مقالات پڑھے گئے۔

۱۔ عبدالعظیم الدیب المستشرقون والاسلام ۲۔ پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی ۔ سر ہملٹن ایلگر ینڈر اور اسلام

۳۔ پروفیسر مشیر الحق کینٹ ویل سمتھ اور اسلام۔ ۴۔ سید اوصاف علی اسلام اور مستشرقین

ان مقالات کے عربی تراجم کبھی ڈاکٹر سلمان ندوی اور کبھی سید سلیمان حسنی کر رہے تھے۔ سب سے آخر میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے جو دوران جلسہ بھی کئی قیمتی باتوں سے مختلف تشریح طلب باتیں فرماتے رہے۔ انہوں نے ایک

واقعہ پر کسی صاحب کی بات پر مستشرقین کی لایعنی تحقیقات پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ تاریخی جملہ کہا کہ :-
" اب تک ہم اس امر سے واقف تھے کہ عقل مجرد کا وجود نہیں ہے ۔ مگر اب علم ہوا ہے کہ علم مجرد اور تحقیق مجرد کا بھی کوئی وجود نہیں ہے ۔ جب تک کہ اس کے پیچھے صادق جذبہ ، گہرا ایمان اور ایک نہ ختم ہونے والی محبت کارفرما نہ ہو ۔
مفتی صاحب کے اختتامی کلمات کے بعد مولانا علی میاں نے خدا بخش لائبریری پٹنہ کے ڈائرکٹر عابد رضا علی بیدار نے جنہوں نے دوران اجلاس ایک تجویز پیش کی تھی کہ مستشرقین نے اسلام کے بارہ میں میڈیول اسلام ، ارلی اسلام اربک اسلام وغیرہ غلط اصطلاحیں گھڑی ہیں ۔ ان کی تنفیذ کے بعد ایک درست اصطلاح محمدی اسلام کیوں نہ رائج کی جائے ۔
اس کا جواب دیتے ہوئے علی میاں نے فرمایا کہ اسلام کا اصلی نام جو قرآن کریم میں وارد ہوا ہے ان الدین عند اللہ الاسلام و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ ۔ اس اصطلاح سے ادھر ادھر ہٹنا مناسب نہ ہوگا ۔
تھوڑے سے وقفے بلکہ وہیں چائے پینے کے بعد اس سے اگلا یعنی تیسرا سیشن شروع ہوا ۔ یہاں یہ قابل ذکر بات ہے کہ یہ اجلاس صرف پاکستانی مندوبین کے لئے مختص کیا گیا تھا ۔ جس کی صدارت جناب سید حامد صاحب وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے کی ۔ ان کی معاونت جناب صباح الدین عبدالرحمٰن اور جناب علی میاں کر رہے تھے ۔ اور اجلاس کو کنڈکٹ کرنے کی ذمہ داری غالباً ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری کے ذمہ تھی ۔ اس اجلاس میں دو مقالات پیش کئے گئے جب کہ باقی تینوں حضرات نے تقاریر کیں ۔ حصہ لینے والوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

۱۔ ڈاکٹر عبدالواحد ہالیپوتہ ۔ مستشرقین کے بارے میں تاثرات
۲۔ مولانا عبدالقدوس ہاشمی ۔ مستشرقین کی کارگذاریوں پہ ایک تقریر
۳۔ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی ۔ مستشرقین ، استشراق اور اسلام پر مقالہ
۴۔ جناب سید صباح الدین کاکاخیل ۔ موسیو لی بان کی غلطیاں (تقریر)
۵۔ جناب محمد طفیل صاحب ۔ شاخت اور اصول فقہ (مقالہ)

اختتامی کلمات میں سید حامد صاحب نے ان تمام حضرات کی باتوں کا محاکمہ کیا اور یہ اجلاس جو ۱۱ بجے شروع ہوا تھا ایک بجے بعد دوپہر اختتام پذیر ہوا ۔
اسی روز شام کے سات بجے چوتھا اجلاس شروع ہوا ۔ جس کی صدارت حکیم محمد سعید صاحب فرما رہے تھے اس اجلاس میں مندرجہ ذیل حضرات نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ۔

۱۔ تقی الدین ندوی السنۃ مع المستشرقین والمستغربین (عربی)
۲۔ ڈاکٹر ابو اللیث ندوی ، نظیرۃ خاطفۃ علی موضوع الاسلام والمستشرقین (عربی)
۳۔ ڈاکٹر سید سلمان ندوی ۔ اسلام اور مستشرقین (انگریزی)

اس اجلاس میں سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب نے دار المصنفین کی کتب کی اہمیت بیان کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ اگر ان کتابوں کا مختلف زبانوں میں اور خاص طور پر عربی زبان میں ترجمہ ہو جائے تو ان کا استفادہ عام ہو سکتا ہے ان کی اس تجویز کو سراہتے ہوئے رابطہ عالم اسلامی کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر عبدالصبور المرزوق نے فرمایا کہ واقعی شبلی اکیڈمی کے ان جواہر پاروں سے استفادہ کرنے کے لئے اہل عرب بھی بے چین ہیں۔ اور ہم بھی یہ چاہتے ہیں کہ ان کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہو مگر یہ ترجمہ ظاہر ہے اردو دان طبقہ ہی کر سکتا ہے۔ لہذا مناسب یہ ہوگا کہ دار المصنفین ان کتب کے مناسب تراجم کرائے۔ اور ہمیں دے۔ ہم ان کی طباعت و اشاعت کے جملہ اخراجات برداشت کریں گے۔ آخر میں حکیم محمد سعید صاحب نے اپنے اختتامی کلمات میں یہ تجویز بھی پیش کی کہ اسلام اور مستشرقین پر یہ سیمینار ہر سال ہونا چاہئے۔ جس سے بعض حضرات نے اتفاق کیا اور بعض نے اسے دو سال بعد ہونے کا خیال ظاہر کیا۔

۲۳ فروری کی صبح کو پانچواں اجلاس شروع ہوا۔ جس میں صدارت کر رہے تھے جب کہ علی میاں تو ہر اجلاس کی طرح ان کے ساتھ تھے۔ اس میں مندرجہ ذیل حضرات نے اپنے مقالات پڑھے۔

۱۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی — مستشرقین کے تصور اسلام کا تاریخی پس منظر (اردو)
۲۔ سید اطہر حسین — قرآن اور مستشرقین (انگریزی)
۳۔ ظفر اسحاق انصاری — جوزف شاخت اور صحت حدیث (انگریزی)
۴۔ ڈاکٹر اکمل ایوبی — مغربی مستشرقین کے چند بنیادی مقاصد (اردو)
۵۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی — کیا مدنی سورتوں میں حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت مکی سورتوں سے مختلف ہے؟ اسپرنگر کے اعتراضات کا جواب (عربی)

مندرجہ بالا مختلف اجلاس میں پیش کئے گئے مقالات کے علاوہ حسب ذیل مقالات بھی اس سیمینار میں لکھے گئے یا پیش کئے گئے۔

۱۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار — استشراق اور اسلام۔ کل اور آج (اردو)
۲۔ مولانا سعید الرحمن اعظمی — ہذا ہو الاستشراق فاعذرنا نحوہ (عربی)
۳۔ مولانا قاضی زین العابدین — مستشرقین کا اثر ہماری یونیورسٹیوں پر (اردو)
۴۔ ڈاکٹر عماد الحسن فاروقی — مغرب کا تصور اسلام اور اس کے سیاسی پہلو (اردو)
۵۔ قاضی عبدالحمید۔ اسلام اور مستشرقین (انگریزی) ۶۔ جناب عبداللہ سرفراز عالم — اسلام اور مستشرقین (انگریزی)
۷۔ الدکتور عماد الدین خلیل — المستشرقون والسیرۃ النبویہ (عربی) ۸۔ الاستاذ انور الجندی — المستشرقون والاسلام (عربی)
۹۔ الاستاذ انور الجندی " والقرآن (") ۱۰۔ " " " والسنۃ (")

۱۱- الاستاذ انور الجندی   المستشرقون والسیرۃ النبویہ (عربی)

۱۲- " "   المستشرقون والتاریخ (عربی)

• مقالات کے آخری اجلاس کے بعد دوپہر ڈھائی بجے زیر صدارت علامہ یوسف القرضاوی ومعاونت مولانا ابوالحسن علی ندوی وصباح الدین عبدالرحمن اور حکیم محمد سعید اختتامی اجلاس منعقد ہوا۔ جس کو جناب محمد رابع حسنی ندوی کنڈکٹ کر رہے تھے۔ تلاوت کلام مجید کے بعد جناب رابع ندوی قراردادیں جو مختلف حضرات سے وصول ہو چکی تھیں پڑھ کر سناتے اور مندوبین حضرات ان کی تصدیق کرتے جاتے تھے۔

اس میں مندرجہ ذیل قراردادیں منظور ہوئیں۔

• اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر جو لٹریچر موجود ہے اور آئندہ بھی جو لٹریچر سامنے آئے اس کا علمی سطح پر مطالعہ و تجزیہ کیا جائے اور علمی و معیاری بنیاد پر مستشرقین کی غلطیوں کو موشگاف کرنے اور ان غلطیوں کی تصحیح کے لئے ایک وسیع تصنیفی و تالیفی پروگرام مرتب کیا جائے۔

۱- اسلام، تاریخ اسلام، سیرت نبویؐ، تاریخ اسلام کی اہم شخصیتوں ان کے فکری، علمی و ادبی کارناموں سے متعلق اسکول کی سطح سے لے کر یونیورسٹیوں کی سطح تک کے طلبہ کے لئے جدید مذاق کے مطابق ایسی کتابیں تیار کی جائیں جو ان کے تعلیمی نصاب کا حصہ بن سکیں۔ اور جن سے تعلیم و تدریس کی ہر سطح پر بچوں اور نوجوانوں کے ذہنوں کی تربیت کا کام لیا جا سکے۔

۲- اسلامی موضوعات پر حوالہ جات کی معیاری کتابیں تیار کی جائیں۔

۳- اسلام سے متعلق علم و تحقیق کے جو ادارے پہلے سے موجود ہیں ان کی علمی و تحقیقی سرگرمیوں سے واقفیت حاصل کی جائے اور ان کے یہاں جو کام ہو رہا ہے اسے موجودہ علمی تحقیقی معیار کے مطابق بہتر اور مفید تر بنانے کی کوشش کی جائے۔

۴- تصنیف و تالیف کے اس تمام کام کا علمی معیار اور تعلیمی مرتبہ دنیا کے موجودہ معیار تحقیق اور جدید اصول تعلیم کے مطابق ہو تاکہ ان کتابوں کا مطالعہ مسلم اور غیر مسلم سبھی لوگ دلچسپی سے کریں۔ اور اسلام اور اسلام سے متعلق دیگر موضوعات پر صحیح معلومات حاصل کر سکیں۔ اور مستشرقین کی کتابوں سے مستغنی ہو سکیں۔

• دارالمصنفین نے اسلامی موضوعات پر جو گراں قدر مطبوعات پیش کی ہیں انہیں عربی زبان اور آج کی زندہ یورپین زبانوں خصوصاً انگریزی میں منتقل کیا جائے۔ تاکہ ان سے بڑے پیمانہ پر استفادہ کیا جا سکے۔ اور اس طرح ہم اس مذاکرہ کے مقاصد کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

• اسلامی مذاکرہ علمی کے شرکاء مستشرقین کی ان علمی کاوشوں کو قابل قدر سمجھتے ہیں جو انہوں نے اسلامی سرمایہ کی حفاظت اور بعض لغات اور مفید کتابوں کی نشر و اشاعت میں خالص علمی انداز سے کی ہیں جس سے ان سے استفادہ آسان ہو گیا۔ اس سلسلہ میں ہم "المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث"، مفتاح کنوز السنہ اور تاریخ ادب کی بعض کتابوں کا نام خصوصیت سے

ے سکتی ہیں۔

اسی طرح ہم بعض انصاف پسند اور غیر متعصب مستشرقین کے مطالعہ اسلام اور تہذیب اسلامی کو قابل قدر سمجھتے ہیں اور اکثر مستشرقین کی اسلامی علوم و فنون کے متعلق غلط فہمی اور مذہبی و سیاسی عصبیت پر رنج و افسوس کا اظہار کرتے ہیں انہوں نے اسلامی عقیدہ و شریعت، قرآن و سنت، سیرت، تاریخ اور تہذیب و تمدن کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے جس کے بہت سے عوامل ہیں، نفسیاتی، تاریخی اور سیاسی بھی۔

۸۔ اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر مجلس مذاکرہ کا یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ اس موضوع پر دو دو سال کے وقفے سے یہ مجلس مذاکرہ منعقد کی جاتی رہے۔ اس سلسلہ میں یہ جلسہ ڈاکٹر شیخ یوسف القرضاوی کی اس پیش کش کو کہ دو سال بعد یہ مجلس مذاکرہ قطر میں منعقد کی جائے، شکریے اور تحسین کے جذبے کے ساتھ قبول کرتا ہے۔ یہ جلسہ جناب حکیم محمد سعید صاحب کا بھی شکر گذار ہے کہ وہ یہ مجلس مذاکرہ پاکستان میں منعقد کرائیں گے۔

یہ جلسہ یہ بھی طے کرتا ہے کہ اس سلسلہ میں مزید پیش رفت کے لئے دار المصنفین اعظم گڑھ میں ایک دفتر رابطہ قائم کیا جائے، یہ دفتر سیمینار کے فیصلوں کے مطابق عمل درآمد کرے اور اہم امور میں حسب ذیل فضلاء سے رابطہ قائم رکھے۔

۱۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی۔ صدر مذاکرہ علمی

۲۔ سید صباح الدین عبد الرحمن۔ ناظم مذاکرہ علمی

۳۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۴۔ پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

۵۔ ڈاکٹر شیخ یوسف القرضاوی۔ قطر

۶۔ ڈاکٹر عبد الصبور مرزوق۔ سعودی عرب

۷۔ ڈاکٹر محمد فتحی عثمان۔ لندن

۸۔ ڈاکٹر عبد السلام الہراس۔ مراکش

۹۔ ڈاکٹر عبد اللہ نصیف۔ سعودی عرب

۱۰۔ ڈاکٹر عبد اللہ عبد المحسن ترکی۔ سعودی عرب

۱۱۔ ڈاکٹر عبد الوہاب ابو سلیمان ،،

۱۲۔ ڈاکٹر عبد اللہ بن عبد اللہ زاید

۱۳۔ ڈاکٹر ظفر احسان الانصاری ،،

۱۴۔ پروفیسر سید حسین نصر۔ ایران

۱۵۔ ڈاکٹر سید سلمان ندوی۔ جنوبی افریقہ

۱۶۔ ڈاکٹر محمد کمال حسن۔ ملیشیا

۱۷۔ پروفیسر خورشید احمد۔ پاکستان

۱۸۔ جناب حکیم محمد سعید صاحب۔ پاکستان

۱۹۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ،،

سید صباح الدین عبد الرحمن اس کمیٹی کے سیکریٹری ہوں گے۔ انہیں یہ اختیار ہوگا کہ وہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے مشورہ سے دفتر رابطہ ضروریات اور مناسب اسٹاف مقرر کریں۔

ان قرار دادوں کے خاتمے پر ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے دار المصنفین کی خدمات کے اعتراف کے طور پر تین ہزار ڈالر دار المصنفین کی خدمت میں پیش کئے۔ اور کارپردازان شبلی اکیڈمی کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا۔ آخر میں صباح الدین عبد الرحمن

صاحب نے تمام مندوبین، حاضرینِ مجلس اور اعظم گڑھ کے عوام کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اس سیمینار کو کامیاب بنانے میں پوری طرح انہماک سے کام کیا۔ سب سے آخر میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کی پُردرد اور اللہ کے حضور لجاجت سے پُر دعا پر یہ سیمینار بخیر و خوبی اور اپنے مقاصد میں کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

مدرسۃ الاصلاح میں

سرائے میر میں معروف و مشہور مدرسۃ الاصلاح جس کے فارغان اصلاحی برادری کی نفری دن بدن بڑھ رہی ہے اس مدرسے کو دیکھنے کی تمنا کون سا طالب علم ہے جسے نہ ہو۔ ہمارے وفد کے سبھی ارکان اسلام آباد ہی سے ارادہ کر کے چلے تھے کہ سرائے میر میں مدرسۃ الاصلاح ضرور دیکھنا ہے۔ اسی طرح دوسری طرف یعنی مدرسہ کے بانی مولانا عبدالحمید فراہی کے پوتے جناب ابوالحسن علی صاحب جو اس پر آشوب دور میں مدرسے کو حسن و خوبی چلا رہے ہیں بنفس نفیس ہمیں لینے کے لیے ۲۲ تاریخ کو اعظم گڑھ آ موجود ہوئے۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ہمارے سات ارکان اور مدرسہ کے کچھ لوگ دو گاڑیوں میں سرائے میر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس طرف جاتے ہوئے چونکہ راستہ میں مولانا فراہی کا گاؤں پھریہا بھی پڑتا تھا اس لیے ہر ایک کی خواہش ہوئی کہ جس خاک سے فراہی جیسا مفسر قرآن اور جید عالم پیدا ہوا ہے اسے بھی ایک نظر دیکھا جائے چنانچہ کوئی ایک گھنٹہ بعد ہم ایک گاؤں سے باہر الگ تھلگ کھیتوں کی ایک قطار کے سامنے کھڑے تھے۔ اور ہمارے عین سامنے اس ٹوٹے ہوئے مکان کے کھنڈرات تھے۔ جو مولانا فراہی کے کتاب و قلم سے آشنا ہاتھوں نے خود علما کے لیے ایک مہمان خانہ کے طور پر بنایا تھا۔ اب اس مکان کی چھت غائب، دیواروں پر گھاس اگی ہوئی اور وہ کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا تھا۔ ارکان وفد حیرت و استعجاب میں ڈوب گئے۔ کہ شہر سے بہت دور اس اجاڑ جگہ پر فراہی صاحب بیٹھے تصنیف و تالیف کا کام کیسے کرتے رہے۔ وہاں سے آگے چلے تو راستے میں شریک وفد ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی کا اپنا گھر سنجر پور میں آتا تھا۔ جہاں ان کے والد بزرگوار ہمارے لیے چشم براہ تھے۔ چنانچہ کوئی آدھ گھنٹہ بعد ہم سنجر پور میں تھے۔ جہاں اصلاحی صاحب کے اہل خانہ نے ہماری گنے کے تازہ رس، رساول اور رامرفی سے تواضع کی۔ یہ چیزیں وہاں کی مقامی طور پر مہمان نوازی کا حصہ شمار ہوتی ہیں۔ یہاں پر ایک لاٹھی ٹیکتے ہوئے صاحب نے بھی ہمارا استقبال کیا۔ ان بزرگ سے تعارف کا شرف حاصل ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ صاحب ایک ندوی عالم ہیں اور سید سلیمان ندوی والے بیچ سے کوئی بارہ سال قبل والے بیچ سے فارغ ہیں۔ ان کی عمر کوئی ۸۰-۹۰ کے لگ بھگ ہوگی۔ افسوس ان سے مزید گفتگو کا موقعہ نہ مل سکا۔

نماز عصر سنجر پور کی مسجد میں ادا کی۔ اور سرائے میر کے لیے چل پڑے۔ مغرب سے کچھ قبل ہم مدرسۃ الاصلاح میں تھے۔ مدرسۃ الاصلاح کا مختصر تعارف یہاں بے جا نہ ہوگا۔ ۱۳۲۶ھ میں اس دیار کے ایک بزرگ مولانا محمد شفیع مرحوم کی مخلصانہ تحریک پر سرائے میر کے قریب ایک میدان میں اس مدرسے کی بنیاد رکھی گئی۔ مولانا شبلی نعمانی نے اس مدرسے کے اغراض و مقاصد اور طریق کار کا ایک خاکہ تیار کیا۔ اور مولانا حمیدالدین فراہی کو اس مدرسے کی نظامت کے لیے حیدرآباد دکن سے بلوایا۔ اس کے بعد مولانا فراہی زندگی کے آخری لمحات تک اس مدرسے سے منسلک رہے۔ اس مدرسہ کے اغراض و مقاصد، نصاب

تعلیم، نظام کار غرضیکہ ابتدائی سبھی امور مولانا فراہی نے مکمل کئے۔ اس وقت سے آج تک یہ مدرسہ اس علاقے میں
مسلمانوں کی مذہبی و دینی تعلیم کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہے۔ اور غیر مساعدت کے گھمبیر بادلوں میں علم نبوت کی قندیل لئے ہوئے
آگے بڑھ رہا ہے۔ اس وقت اس مدرسہ کے ناظم اعلیٰ جناب ابوالحسن علی ہیں۔ جو مولانا فراہی کے پوتے ہیں۔
ہماری آمد پہ پورے مدرسے نے انتہائی جوش و خروش کے ساتھ روایتی انداز میں استقبال کیا۔ دفتر اور دار المعلومات
دکھایا گیا۔ بعدازاں مدرسہ کے مختلف شعبوں کی سیر کرائی گئی۔ آخر میں اس مختصر سے کتب خانے میں لے جایا گیا جو تالیفات کے
دوران مولانا فراہی کا مرجع رہا تھا۔ اس کے اندر ایک الماری بھی رکھی ہے جس میں مولانا فراہی کے زیر مطالعہ کتب کو ایک جگہ
جمع کر دیا گیا۔ اور جن کے حواشی پر مولانا فراہی کے اپنے ہاتھوں سے تشریحی و توضیحی نوٹس پنسل سے تحریر تھے۔ مغرب کی نماز
سے فراغت کے بعد کھپریل کے اس کمرے میں ایک مختصر سا اجتماع ہوا جس میں مولانا فراہی صاحب ایک چٹائی پر بیٹھ کر طلبہ
کو درس دیتے اور مطالعہ و تصنیف کا کام بھی کرتے تھے۔ اس اجتماع میں مدرسہ کے طلبا نے اپنا ترانہ اس کے بعد ایک
طالب علم نے عربی زبان میں مختصر طور پر ترحیبی کلمات کہے۔ یہ امر آپ کے لئے خوش کن ہوگا کہ عرب ممالک سے کوسوں دور عربی زبان
کے لئے انتہائی غیر ملائم مقام پر ننھے ننھے طلبا مقدور بھر اس قرآن کی زبان کو نہ صرف حاصل کرتے ہیں بلکہ اس میں اظہار خیال بھی کیا کرتے
ہیں۔ چنانچہ ان کے منہ سے عربی زبان میں ادا کئے گئے یہ کلمات ہمارے لئے خوشی و شادمانی اور پیغام مسرت سے کم نہیں تھے۔
ان کلمات کے جواب میں مولانا عبدالقدوس ہاشمی نے طلبا کی کوششوں کو سراہتے ہوئے انتہائی پر درد اور گلوگیر لہجے میں طلبا کو نصیحتیں
فرمائیں۔ تقریباً سبھی حاضرین مجلس اشک بار تھے۔ بلکہ بعض حضرات تو فرط گریہ سے اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکے۔ اور ان کی
ہچکیاں بندھ گئیں۔

مولانا کی تقریر کا وہ حصہ یقیناً دلوں سے کبھی محو نہیں ہو سکتا جس سے انہوں نے فرمایا تھا کہ:۔
نبوت و رسالت کی ٹرانسمشن لائن سے نکلنے والی تعلیمات نیز دینی و اصلاحی باتیں پہنچانے کے لئے یہ اساتذہ
ایک ریڈیو سیٹ ہیں جو صدیوں سے وہ ابدی پیغام من وعن اب تک پہنچانے میں کوشاں ہیں۔ ان کی باتیں توجہ، انہماک
اور غور سے سنو۔ ان کو دل میں جگہ دو۔ تاکہ تم بھی ایک وقت اس سلسلہ نبوت کی ٹرانسمشن لائن میں وہی مقام پا جاؤ جو
ان اساتذہ کا ہے۔ اور پھر یہ نبوت کا بلغوا عنی ولو آیہ، والا پیغام قیامت تک جاری و ساری رہے۔
وقت بہت ہو رہا تھا۔ رخصت ہوتے رات ڈھل چکی تھی۔ طلبا کا رخصت کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا بڑھ بڑھ کر اور بار
بار مصافحہ کرتے اور ہاتھوں کو تھامنے کا منظر دیدنی تھا۔ طلبا تھے کہ آگے آگے بڑھ کر ہاتھوں کو ہاتھوں میں لیتے اور بحسرت پیچھے
ہٹتے۔ اور دوسروں کو موقع دیتے۔ اسی طرح بہت سا وقت صرف ہو گیا۔ مدرسۃ الاصلاح کی طرف سے اراکین وفد کو فرداً
فرداً مکتبہ الاصلاح کی مطبوعات کا ایک ایک سیٹ ہدیہ پیش کیا گیا۔ ان ہدایا میں مولانا کوثر اصلاحی صاحب کا مدرسہ کو
پیش کیا گیا ایک سپاسنامہ بھی تھا جس کے مندرجہ ذیل اشعار دعوت فکر و نظر دے رہے ہیں۔

یہ مدرسہ تعلیم خودی، مکتب یہ خود آگاہی کا
ہر خاک نشیں ہوتا ہے، سلیمان شاہی کا

اسرار شریعت کھلتے ہیں، ادراک معارف ہوتا ہے
آسودہ دانش و دیں ہم اس بزم کا عارف ہوتا ہے

تہذیب علوم انسانی، مقصود یہاں تعلیم کا ہے
تجدید علوم ربانی، مقصود یہاں تعلیم کا ہے

واپسی اسی راستے سے ہوئی اور ۲۲ کی رات والے سیشن میں بمشکل شمولیت ہو سکی۔ ہم تب پہنچے جب سید صباح الدین صاحب کی اس تجویز پر کہ دار المصنفین کی کتب کا عربی ترجمہ ہونا چاہیئے۔ ڈاکٹر عبدالصبور المرزوق ڈائرکٹر جنرل رابطہ عالم اسلامی اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔

آخر میں حکیم محمد سعید صاحب نے اختتامی کلمات میں سبھی مقررین کی باتوں کا محاکمہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ اگرچہ اس قسم کا سیمینار منعقد کرنے کا کام کسی اسلامی ملک کو کرنا چاہیئے تھا تاہم ہندوستان کے مسلمانوں نے یہ فریضہ سرانجام دے کر اس اہم ضرورت کی طرف مسلمانوں کی طرف مبذول کرائی ہے۔ بلکہ پہل کا شرف بھی حاصل کر لیا ہے۔ پھر یہ تجویز پیش کی کہ اسلام اور مستشرقین کے بارے میں یہ سیمینار ہر سال کسی اسلامی ملک میں منعقد ہونا چاہیئے۔

جناب حکیم سعید صاحب کی اس اہم اور بے حد ضروری تجویز پر کئی علماء نے تائید کی۔ آخر کار جامع قطر کے معروف عالم سید یوسف القرضاوی نے سب حضرات کی بات کو اہمیت دیتے ہوئے اس امر سے اتفاق کیا کہ اس سیمینار کا انعقاد تو ضروری ہے مگر ہر سال اس طرح کی کانفرنس منعقد کرنا عملی طور پر مشکل ہے۔ اس لئے اسے ہر دو سال بعد منعقد کیا جائے اور دوسرے سال کے آخر میں اس کے انعقاد کا شرف قطر حاصل کرے گا۔

ارض مئو | ۲۳ر فروری کو اعظم گڑھ میں اردو کی مخالفت میں جسے اس صوبہ میں سرکاری زبان کا ثانوی درجہ دینے کی تحریک چل رہی ہے۔ پہیہ جام عام ہڑتال تھی۔ یہ صورت سیمینار کے مندوبین کے لئے کافی حد تک تشویشناک تھی۔ کیونکہ اس روز اختتامی اجلاس کے بعد شریک سیمینار لوگوں نے واپس لوٹنا تھا۔ صبح سویرے جب حالات کا جائزہ لیا گیا تو صورت کافی شدید سنائی دی۔ تاہم چونکہ آج آخری دن تھا اس لئے صبح کے اجلاس کے بعد اختتامی اجلاس کی تیاریاں بھی ساتھ ہی ہو رہی تھیں۔ اس تاریخی اجلاس کے موقعہ کو گنوانے کے لئے ذہن تیار تو نہ تھا مگر مئو ناتھ بھنجن کے مقامی حضرات اور وہاں کے جامعہ اثریہ دار الحدیث کے کارپردازان کے زبردست اصرار پر مولانا ہاشمی اور ان کے ساتھ مجھ ناچیز کو یہ حضرات مئو لے جانے کے لئے کامیاب ہو گئے۔

اگرچہ پہیہ جام ہڑتال تھی مگر ہم اپنی گاڑی لے کر علی رغم انفسہم بھرے بازار سے گذر کر مئو کی طرف روانہ ہوتے یہ عجیب بات ہے کہ اس ضلع میں مئو ایک ایسا مقام ہے جہاں مسلمانوں کی تعداد ۹۰ فیصد کے لگ بھگ ہے۔ یہاں پر مسلمانوں کے کئی مدارس ہیں۔ انہی میں سے ایک جامعہ اثریہ دار الحدیث ہے جس کی بنیاد ۱۹۵۷ء میں محدث کبیر محمد عبد اللہ الشائق نے علماء کے ایک گروہ کے تعاون سے رکھی۔ اس جامعہ کے مقاصد میں کتاب و سنت کی تعلیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے

ساتھ ساتھ خالص دینی ماحول، بدعات و خرافات کے خلاف ذہنی تیاری، اسلامی ثقافت و تمدن کی تعلیم اور صالح نوجوان پیدا کئے جاتے ہیں۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹہ بعد دار الحدیث پہنچے۔ تو وہاں طلبہ اور اساتذہ کو چشم براہ پایا۔ مدرسہ میں ایک استقبال اور پھر ایک جلسہ کے لئے باقاعدہ انہوں نے لاؤڈ سپیکر وغیرہ کا انتظام کر رکھا تھا۔ جلسے کی کارروائی کا آغاز تلاوت سے ہوا۔ پھر مہمانوں کا خیر مقدم ایک نظم کی صورت میں کیا گیا۔ جس کے چند اشعار آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

آج کیوں دل کو ہمارے شادمانی ہے عظیم
ایک پیغام مسرت لے کے آئی ہے نسیم
جن کی خاطر تھے دیدہ و دل فرش راہ
جامعہ اثریہ کے مہماں بن کر ہیں مقیم

ان مسلمانوں میں سرکردہ اور ارض متو کے علمی خزائن کے قدیم خوشہ چین مولانا عبد القدوس ہاشمی صاحب کو مخاطب کر یوں گویا ہوئے ؎

آپ کی ذات گرامی مخزن انوار ہے
آپ ہیں دریائے علم و فضل کے در یتیم
مرد عاقل را بیاں مختصر کافی تراست
در جہاں مانند تو ہرگز ندیدہ شد فہیم

مولانا ہاشمی کو اس خاک سے خاص محبت اور وابستگی رہی ہے چنانچہ ان کا خطاب اگرچہ مختصر اور بچوں کے لئے تھا تاہم اس میں چھوٹوں کے لئے پند و نصائح کے ساتھ ساتھ بڑوں کی رہنمائی کے لئے کلمات بھی کہے گئے۔ اور حاضرین نے بڑی دلچسپی سے سنے۔

وقت کی قلت کے سبب زیادہ دیر قیام نہ کر سکے۔ پھر واپسی پر ہاشمی صاحب نے پچاس سال قبل کے کچھ لوگوں کو یاد فرمایا۔ ان سے خود جا کر ملے بلکہ راستے میں اس گھر بھی گئے جہاں آپ نے بچپن میں تعلیم کے دوران چند سال قیام کیا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس بہن سے بھی ملاقات ہو گئی جو لڑکپن میں ہاشمی صاحب کی تواضع کیا کرتی تھی۔

مئو پورے ضلع میں کھڈی کی بنائی میں عمدگی کے طور پر مشہور ہے مئو کے لوگوں نے اپنی محبت اور دلنوازی کے ثبوت کے طور پر اپنا ایک عمدہ تحفہ سلکی رومال کی صورت میں اراکین وفد کو دیا۔ جو ان کی یاد کبھی بھی دلوں سے محو نہ ہونے دے گا اس جلدی میں مولانا حبیب الرحمان اعظمی محقق مصنف عبد الرزاق سے ملاقات نہ ہو سکی جو اس روز مئو میں ہی تشریف فرما تھے اس امر کا قلق ہی رہے گا۔

واپس اعظم گڑھ کوئی دو بجے کے قریب پہنچے تو اختتامی اجلاس آخری مراحل میں تھا۔ دوپہر کا کھانا کھایا اور علی میاں سے لکھنؤ کے لئے روانگی کی ہدایات لیں۔ یہ خیال رہے کہ اراکین وفد کو لکھنؤ جانے کی دعوت اسلام آباد ہی میں مل گئی تھی چنانچہ ندوۃ العلماء کی طرف سے ایک بس میں ارکان وفد اور طلبہ و اساتذہ ندوہ ۲۳ کی شام کو لکھنؤ کی طرف روانہ ہوئے۔ جناب مولانا سعید الرحمٰن اعظمی اور جناب سلمان حسنی ندوی کی سرکردگی میں یہ قافلہ تقریباً پوری رات رواں دواں رہا۔ چنانچہ صبح چار بجے ہم ندوہ پہنچے۔

ندوۃ العلماء میں ۱۸۹۸ء میں حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کی سرکردگی میں ملک کے ممتاز علماء و مشائخ کے طویل مشوروں اور ملاقاتوں کے بعد ندوۃ العلماء کے دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی۔ اس دارالعلوم میں مسلمانوں کے قدیم تعلیمی نصاب کی خامیوں سے گریز اور جدید تعلیمی ضرورتوں کے پیش نظر ایک متوازن نصاب تعلیم کی تشکیل اور بڑی حد تک اس کا نفاذ عمل میں آیا جس میں ایک طرف تو علوم دینیہ میں پختگی اور دوسری طرف عربی زبان و ادب میں مہارت تیسری طرف علوم جدیدہ سے حسب ضرورت واقفیت کو بنیادی اہمیت دی گئی۔ اس کی تعمیر و ترقی میں ملت کے ممتاز اہل قلم و ارباب فکر اور مخلص حضرات نے حصہ لیا۔

علامہ شبلی نعمانی کی مساعی جمیلہ سے دارالعلوم میں خصوصی طور پر علمی و تحقیقی ذوق پیدا ہوا۔ ان کے بعد علامہ سید سلیمان ندوی نے جو ایک طرف علامہ شبلی کے نامور شاگرد اور دوسری طرف حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مجاز تھے۔ اس ادارہ کی علمی سرپرستی فرمائی۔

اب تقریباً ایک صدی ہو رہی ہے کہ یہ دارالعلوم دینی و علمی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ ملک کی علمی و عملی زندگی کے اکثر شعبوں میں اس وقت ندوۃ العلماء کے فضلاء اپنے دینی و علمی امتیاز کے ساتھ پہچانے جاتے ہیں۔

اس مادر علمی میں پہنچنے کے بعد ہم نے محسوس کیا کہ جیسے ہم کسی عربی ملک کی بڑی جامعہ میں پہنچ گئے ہیں اور ارد گرد پھرتے طلباء عربی میں محو گفتگو پائے۔ چاق و چوبند علم و فن میں منہمک اور چہار دانگ عالم سے بیگانہ یہ سرفروشان علم کے شہر میں پہنچ کر جو شادمانی و مسرت ہمیں ہوئی اس کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

صبح سویرے مولانا علی میاں کے ہاں روایتی اور پرتکلف لکھنوی انداز پر چنے گئے ناشتے سے فراغت کے بعد علی میاں نے ارکان وفد کو دارالعلوم کا ایک سرسری تعارف کرایا۔ پھر الگ الگ شعبوں کی کارکردگی سے آگاہ کرنے کی خاطر ارکان کو ساتھ لیے مختلف شعبے دکھاتے رہے۔ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کا شعبہ خاص طور پر توجہ کا مرکز بنا۔ مولانا نے اس مجلس کی سرگرمیوں پر پوری طرح روشنی ڈالی۔ یہ مجلس ندوہ کے تحت ادارہ نہیں بلکہ ندوۃ العلماء کے ناظم اور متعدد فضلاء اس کے موسس اور روح رواں ہیں۔ اس مجلس کا قیام اہم ترین دعوتی و اصلاحی مقاصد کے عمل میں آیا تھا۔ اس مجلس کے ارکان نے بیش قیمت کتب تصنیف کیں۔ ان کی مطبوعات کو ملک و بیرون ملک قدر کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ مجلس نے بیک وقت اردو، عربی، انگریزی اور ہندی زبانوں میں بہت سی تالیفات شائع کی ہیں۔ اب ان زبانوں میں بنگلہ کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔

مجلس کی عمارت سے نکل کر اس نئی عمارت میں داخل ہوئے جس کی تکمیل غالباً اس سال ہو جائے گی۔ یہ عمارت ندوہ کے کتب خانہ کے لئے خاص طور پر بنائی گئی ہے۔ یہ خیال رہے کہ اس وقت ندوہ کا کتب خانہ عباسی ہال میں ہے جہاں جگہ کی قلت کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ سب سے آخر میں مولانا ہمیں دارالعلوم کی قدیم ترین عمارت عباسیہ

ہال میں سے گئے۔ اس ہال کا تاریخی بلکہ تاریخ ساز رومی دروازہ سے ہم داخل ہوئے۔ اس دروازے نے بڑے بڑے جید علماء، متبحر فضلاء علم وادب کے ماہرین اور سرکردہ شخصیات کو دیکھا ہے۔ اس کی ایک ایک محراب اس امر کی گواہی دے رہی ہے کہ یہاں کتنے ہی فضلاء آئے اور اس مادرِ علمی سے سرفراز ہوئے۔

ہال میں داخل ہوتے ہی ایک عجیب منظر نظر آیا۔ داخلے کے ساتھ ہی دائیں جانب بڑے بڑے پوسٹروں پر پاک و ہند کی سرزمین سے اٹھنے والے علماء، ان کی خدمات اور تالیفات سے بیحد مختصر مگر جامع اور دلنشیں انداز سے بزبان عربی تعارف کرایا گیا ہے۔ ہر ایک پوسٹر کے سامنے علی میاں ٹھہرتے اور ان میں ندوہ کی خدمات، پاک و ہند کے علماء کی کارگذاریاں اور مساعی کو بیان کرتے آخر تک چلے گئے۔ یہ کوئی پچاس کے قریب پوسٹر ہوں گے جن پر اس پورے خطے کی علمی، ثقافتی اور دینی خدمات کو کوزے میں بند کرکے صرف ایک ہی نظر میں پیش کر دیا گیا ہے۔ انداز اس قدر دلنشیں ہے کہ ہر ایک بات دل میں اتر جاتی ہے۔ اس رو کی الٹی جانب انہی پوسٹروں کو اردو زبان میں اور ساتھ ہی ندوہ کی خدمات پیش کی گئی ہیں۔ جو ہر آنے والے کو ایک ہی نظر میں بیک لمحہ ندوہ کی پوری تاریخ و خدمات سے آگاہ کر دیتے ہیں انہی پوسٹروں میں ایک پوسٹر ندوہ کے بارے میں مولانا عبدالماجد دریا بادی کا پرشکوہ اور وقیع تبصرہ بعنوان "ندویت کوئی مادی ڈپلوما یا کاغذی سند نہیں" پڑھنے پر میں نے حضرت مولانا علی میاں سے عرض کیا کہ اس قدر جامع بات شاید ہی کسی نے ندوہ کے بارے میں کہی ہو۔ مولانا نے فرمایا کہ اس عبارت کے پیشِ نظر آپ سب حضرات ندوی ہیں۔ اور ندوہ کا مشن ہی چلا رہے ہیں۔

اس راؤنڈ کے آخر میں عباسی ہال میں بلند چبوترے پر بچھے ہوئے صوفوں پر بیٹھتے ہوئے خاص طور پر ہمیں بلا کر فرمایا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں پر ۱۹۱۲ء میں عالم عربی کے جید عالم علامہ رشید رضا نے فصیح و بلیغ عربی خطبہ شروع کیا تو علامہ شبلی نعمانی نے فرمایا کہ ہے کوئی شخص جو اس خطبے کا ترجمہ بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ پھر دیکھا کہ ایک کونے سے ایک نوخیز طالب علم نما نوجوان اٹھا۔ اور اس نے اس ترجمے کی اجازت چاہی۔ پھر پورے مجمع نے دیکھا کہ اس ۲۲ سالہ لڑکے نے اس فصیح و بلیغ خطبے کا اردو ترجمہ اس مہارت اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ کیا کہ ترجمہ ترجمہ نہ رہا بلکہ اصل اردو زبان میں خطبہ بن گیا۔ حاضرین نے محسوس کیا کہ واقعی ترجمے کا حق ادا ہو گیا ہے۔ آپ جانتے ہیں وہ نوجوان کون تھا؟ وہ تھے ابوالکلام آزاد جن کی زبان دانی کا لوہا ہر کس و ناکس مانتے ہیں۔

اس کے بعد دوپہر کو ندوہ کی جمعیۃ الاصلاح کے زیر اہتمام عرب مہمانان ڈاکٹر عبدالصبور المرزوق اور سید محمد محمود الطنطاوی کی پذیرائی و ترحیب کے لئے جمعیت کے خاص ہال میں ایک اجلاس ہوا۔ پورے اجلاس کی کارروائی نہایت فصیح و بلیغ عربی زبان میں سننے میں آئی۔

شام چار بجے کے قریب، ندوہ کے مہمان خانے میں ہند کے علمی افق پر گذشتہ پونی صدی سے چھائی ہوئی شخصیت

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ غالباً اس روز مولانا عبدالماجد دریابادی کے انتقال کے بعد سے صدق جدید کے ایڈیٹر حکیم عبدالقوی صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس روز شام کو جمعیۃ الاصلاح کے ہال میں جمعیت کی طرف سے صرف پاکستانی وفد کے اعزاز میں ایک جلسہ ہوا جس میں تلاوت قرآن کے بعد ندوہ کا ترانہ اپنی خاص دھن میں سنایا گیا۔ ذیل میں ہم اس کے چند بند درج کر رہے ہیں۔ جن سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس ترانے کا ہر لفظ اپنے اندر ندوہ کے مقاصد اور امنگیں سمویا ہوا ہے۔

ہم نازش ملک و ملت ہیں ہم سے ہے درخشاں صبح وطن
ہم تابش دیں، ہم نور یقیں، ہم حسن عمل، ہم خلق حسن

وہ شمع یہاں پہ جلتی ہے جس شمع سے دنیا روشن ہے
وہ پھول یہاں پر کھلتا ہے جس پھول سے گلشن گلشن ہے
یہ اہل وفا کا مرکز ہے، یہ اہل صفا کا مخزن ہے
شہہانہ یہاں پر پلتے ہیں یہ لعل و گہر کا معدن ہے

ہم نازش ملک و ملت ہیں ہم سے ہے درخشاں صبح وطن
ہم تابش دیں، ہم نور یقیں، ہم حسن عمل، ہم خلق حسن

جو ساز یہاں پر چھڑتا ہے کہتے ہیں حرم کا ساز ہے وہ
سینوں میں ہے جو بھی راز یہاں، دراصل حجازی راز ہے وہ
جو گونجتی ہے آواز یہاں، جادو سے بھری آواز ہے وہ
جو دل نہ کھنچے اس کی جانب، بے سوز ہے وہ بے ساز ہے وہ

اگلے روز یعنی ۲۵ فروری کو پہلا وقت کو شہر کے قابل دید مقامات دیکھنے کے لئے نکالا۔ اس مقصد کے لئے ہم نکلے تو تھے مگر کوئی خاص سیر نہ ہو سکی۔ اس گھومنے پھرنے میں اتنا وقت صرف ہو گیا کہ میں نے جو صغانی لاہوری کی لغت نویسی پر ادب عرب کی اونچی کلاس کے سامنے ایک لیکچر دینا تھا وہ بھی رہ گیا۔ واپس پہنچے تو اسٹیشن جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ کھانا کھا کر جلدی سے اسٹیشن روانہ ہوئے جہاں سے ہم نے امرتسر جانا تھا۔ یہ اس موقع کی بہت بڑی بھول ہوگی۔ اگر میں اس امر کا تذکرہ نہ کر سکا کہ بھارت کے مسلمانوں کا خلوص، محبت اور دوسرے مسلمانوں سے شیفتگی دیدنی ہوتی ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ ہماری روانگی کے وقت ندوہ کے لوگ کس انداز محبت سے ہمیں الوداع کر رہے تھے۔ اس الفت کا تو کوئی جواب نہیں کہ ایک بڑی ٹوکری میں حضرت مولانا علی میاں نے زاد راہ کے طور پر بہت سا کھانا اور پھل رکھوا دیئے جیسے ایک ماں اپنے بچے کو سفر پر روانہ کرتے ہوئے

اللہ کی امان میں دینے کے ساتھ ساتھ اس کی دیگر ضروریات کے پیش نظر کھانا بھی ساتھ دیتی ہے۔ شفقت پدری اور محبت مادری کا یہ نمونہ ہم نے دو جگہ روانگی کے وقت دیکھا ہے۔ یعنی پہلے جب ہم شبلی اکیڈیمی سے لکھنؤ کے لئے چلے تھے۔ تب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے اسی خلوص و محبت کا اظہار کیا تھا اور اب لکھنؤ سے امرتسر آتے ہوئے مولانا علی میاں نے محبت کا تحفہ ساتھ کر دیا۔ حقیقت میں یہ دونوں تحفے ہمیں راہ میں بہت کام آئے اور کسی طرح بھی اسٹیشنوں کے کھانوں کا محتاج نہیں ہونے دیا۔

گورو نانک یونیورسٹی اٹاری امرتسر روڈ پہ خالصہ کالج سے متصل ایک وسیع میدان میں بالکل نئی تعمیر ہو رہی ہے جس کی عمارات مختلف شعبے اور نظام کار ابھی ابتدائی مراحل ہی میں ہیں۔ ہم اس عجلت میں صرف لائبریری میں جا سکے۔ کتب خانے کا نظام بہت اعلیٰ اور مختلف مضامین کے تحت ذخیرہ کتب کا سلیکشن اچھا پایا۔ چلتے وقت جناب گوپال سنگھ نے لائبریری کی کچھ مطبوعات ادارہ تحقیقات اسلامی کے کتب خانے کے لئے ہدیہ پیش کیں۔

ہم ہندوستان سے محبت و الفت کے سب تحفے لے کر ۲۶ر فروری ۱۹۸۲ء کو وطن عزیز کی سرزمین پر پہنچ چکے تھے۔ دونوں ممالک کے کسٹم کے عملہ نے ہمارے اس علمی وفد کے ساتھ ہر دونوں موقعہ پر بے حد خوش خلقی اور بے حد پذیرائی کا سلوک کیا۔ جو شکریہ کے مستحق ہیں۔

بقیہ ص ۳۵

مدارس حدیث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت مقرر فرما رکھا تھا۔ اور امہات المومنین کو بھی اللہ تعالیٰ نے فقاہت کا معتد بہا حصہ عطا فرمایا۔ کہ جب انہیں کوئی مسئلہ درپیش ہوتا اور حیا کی وجہ سے وہ اس بارے میں حضورؐ سے نہیں پوچھ سکتی تھیں تو وہ اس مسئلہ کو امہات المومنین کے سامنے بیان کرتیں۔ تو اس میدان میں امہات المومنین کا حصہ بھی کسی طرح کم نہیں۔

تو اس وقت تبلیغ و اشاعت کے مختلف طریقے تھے۔ مثلاً قبائل کو وفود بھیجنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی مکاتیب مختلف بادشاہوں کے نام اور آپؐ کے خطبات۔ فتح مکہ کے دوران احکام و احادیث کا وافر حصہ نشر پذیر ہوا۔

خط و کتابت
کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور
دیجئے